

www.KitaboSunnat.com

حفاظت حدیث کیوں؟

ڈاکٹر محمد ادریس زبیر

بزم توحید - کراچی

۲
ح -



معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مَجْلِسُ التَّحْقِیْقِ الْإِسْلَامِیِّ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

حفاظت حدیث کیوں؟

ڈاکٹر محمد ادریس زبیر

www.KitaboSunnat.com

بزم توحید - کراچی

۲۴۹
ز - ی - ح

نام کتاب : حفاظت حدیث کیوں؟

مصنف : ڈاکٹر محمد ادریس زبیر

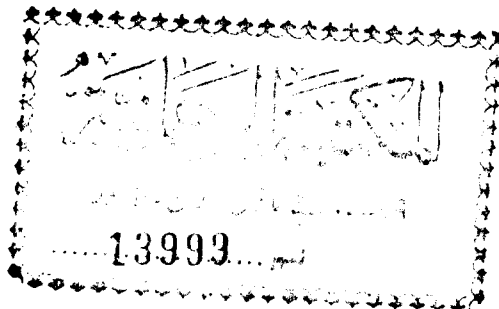
طبع اول : اگست ۲۰۰۳

تعداد : ۲۰۰۰

سرورق : مشتاق احمد

کمپوزر : ابو محمد

ناشر : بزم توحید - کراچی



بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث کیا ہے؟

رسول اکرم ﷺ کے قول و عمل اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔ یہ وہ الہامی ذخیرہ ہے جو بذریعہ وحی نطق رسالت نے پیش فرمایا۔ یہ وہ دین ہے جس کے بغیر قرآن نہیں ناممکن، فقہی استدلال فضول اور راست دینی نظریات عنقا ہو جاتے ہیں۔ یہ اس شخصیت کے کلمات خیر ہیں جنہیں مان کر ایک عام شخص صحابی رسول بنا اور رب ذوالجلال نے اسے رضی اللہ عنہ کے خطاب سے نوازا۔ یہ وہ علم ہے جس کا صحیح فہم حاصل کر کے ایک عام مسلمان، امامت کے درجے پر فائز ہو جاتا ہے اور رحمۃ اللہ علیہ کی دعا امت کے ہر فرد سے پاتا ہے۔

یہ وہ منزل من اللہ وحی ہے جسے نظر انداز کر کے کوئی شخص اپنے ایمان کو نہیں بچا سکتا۔ یہ وہ ذکر ہے جس میں ڈوب کر ہر دانشور، مجتہد، مفسر، محدث، متکلم اور فلسفی اپنی دانش و فکر کو بچھڑھٹتا ہے۔ اس ذات والا صفات کی بات، عمل اور تقریر کے آگے یا مقابل میں کوئی مسلمان اپنی رائے، تاویل یا استدلال کو پیش نہیں کرتا کیوں کہ یہ اس کے نزدیک اللہ و رسول سے بغاوت کا نام ہے۔ اس خیر الہدی کے آگے ہر شخص بچ، ہر قول بے وزن، ہر علم جہل، ہر اجتہاد ایک فساد اور تکبر ٹھہرتا ہے۔ اس کی رسالت ایک نعمت، اس کی سیادت ایک رحمت، اس کی اطاعت ایک سعادت اور دیگر سے لاتعلقی ایک ایمان قرار پاتی ہے۔

محدثین کرام کو اللہ تعالیٰ نے روایت و اسناد جیسی عظیم تحقیقی و علمی نعمت سے سرفراز فرمایا جس سے اس علم کے ماہر نقاد صدق و کذب کے مابین فرق بآسانی معلوم کر لیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اسے ایک ایسی میراث قرار دیا جسے ہر عادل اہل علم سے بعد میں آنے والا ہر مخلص طالب علم حاصل کرتا ہے جو روایت میں ہونے والی تحریف اور دھاندلی کا نہ صرف پتہ لگاتے ہیں بلکہ غالی اور جھوٹے لوگوں کی عیاریوں کو بھی فاش کرتے ہیں تاکہ اس امت پر اللہ تعالیٰ کی نعمت اپنی اصل حالت میں باقی رہے اور اگر کہیں ظلمت نے گھر کر لیا ہے تو روایت و اسناد کے ذریعے سے وہاں نور کی کرن روشن کی جاسکے۔

ہر انسان کچھ کرتا ہے اور کچھ کہتا ہے اور کبھی اس کے سامنے کچھ کیا جاتا ہے اگر وہ کرنا مناسب ہے تو خاموش رہتا ہے ورنہ وہ ٹوکتا ہے۔ بعینہ رسول اکرم ﷺ کچھ کرتے تھے، کچھ آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے اور کچھ آپ ﷺ کے سامنے ہوتا۔ اگر درست ہوتا تو آپ ﷺ خاموش رہتے اور اگر نامناسب ہوتا تو آپ ﷺ تنبیہ فرما دیا کرتے۔ آپ ﷺ کے یہ سب رویے جب روایت ہوئے تو انہیں حدیث کا نام دیا گیا۔ صرف حدیث اسے نہیں کہتے جو آپ ﷺ کے اقوال و ارشادات پر مبنی ہو بلکہ حدیث ان سب مذکورہ رویوں کو محیط ہے۔ ہمارے پاس حدیث رسول کا جو سرمایہ موجود ہے اس میں ستر فی صد آپ ﷺ کے عمل بیان کئے گئے ہیں جو ظاہر ہے آپ ﷺ نے کئے مگر صحابہ کرام نے انہیں دیکھا اور اپنے لفظوں میں بیان کر دیا جو مختلف بھی ہو سکتے ہیں۔ پچیس فی صد آپ ﷺ کے اقوال ہیں

جنہیں صحابہ رسول نے حتی الامکان یاد کیا اس پر عمل کیا اور پھر روایت کیا باقی تقریباً پانچ فی صد آپ کی خاموش تائید ہیں۔

قرآنی آیات کی رو سے اگر ہم جناب رسالت مآب ﷺ کا مقام و مرتبہ متعین کریں تو پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ قانون ساز (Legislator) تھے۔ یہ آپ ﷺ کی ذمہ داری تھی۔ آپ ﷺ ہی مبین (Expounder) قرآن ہیں۔ آپ ﷺ ہی مطاع ہیں دین کے معاملے میں آپ ﷺ ہی کی بات ایک میزان ہے اور کسی کی بات ناقابل ترجیح ہے۔ اسوہ حسنہ آپ ہی کا مثالی ہے۔ آپ ﷺ جو فرماتے ہیں یا کرتے ہیں وہ وحی الہی کے مطابق ہی ہوتا ہے۔ آپ ہی کا اخلاق و کردار معیار و کسوٹی ہے۔ جو دین آپ ﷺ دیں وہ ہم بغیر کسی تردد و ہچکچاہٹ کے لے لیں اور جس غلط حرکت یا سوچ سے آپ ﷺ منع فرمائیں اس سے باز آ جائیں۔ آپ ﷺ کے کسی حکم یا عمل کی مخالفت کسی بڑے فتنہ اور عذاب کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے۔ وغیرہ

صحیح حدیث کے لئے پانچ شرائط کا عائد کرنا محدثین کی اس مسلسل ریاض کا نتیجہ ہے جو انہوں نے اصل بات کی تہہ تک پہنچنے کے لئے کی۔ اور جسے معقول، مثبت، انتھک مگر با مقصد اور للہیت پر مبنی کوشش قرار دیا جاسکتا ہے۔ ایسی محنت کہ شاید ان کے علاوہ کسی نے اس طرح کی ہو۔ تحقیق، روایت اور درایت کے ممکنہ اسباب جو بھی مستعمل ہو سکتے تھے انہوں نے نہ صرف انہیں مستخرج کیا بلکہ ان کی صحیح معنوں میں تطبیق بھی کی۔ اس ضمن میں کسی رو

رعایت، میول، رجحان، تعلق، علم، بزرگی، زہد، تقویٰ، وعظ، بکاء و رقت کام نہ آسکی۔ امام علی بن المدینیؒ سے تلامذہ نے پوچھا کہ آپ کے والد محترم حدیث بیان کرتے ہیں ان سے روایت کرنا کیسا ہے؟ فرمانے لگے: سلوا عن غیرہ۔ کسی اور سے پوچھو۔ طلبہ نے اصرار کیا تو گردن جھکالی اور خود سے فرماتے ہیں: علی! یہ تو دین ہے جس کے متعلق تم سے سوال کیا جا رہا ہے اور تم خاموش ہو؟ فوزا فرمایا: اناہ ضعیف۔ سنو! میرے والد روایت حدیث میں ضعیف ہیں ان سے مت روایت کرو۔

شاید ان شرائط کی مجبھی لاعلمی کسی کی عقل خام کو یہ باور کراتی ہے کہ حدیث میں یا اس کی روایت میں کہیں نہ کہیں کچھ خامی ضرور ہے اور پھر ایسے شخص کی تعلیٰ کا خود ساختہ منبج بلا واسطہ اسے عقل سلیم ہونے کی تھکی دیتا ہے جب کہ ہوتی یہ نادان عقل ہے۔ پھر اس کے یہی خیال حروف و عبارات میں ڈھل جاتے ہیں جو اس کی کمال دانش سمجھ جاتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں سوائے اس کے اور کیا کہا جائے: نیم ملاحظہ ایمان۔

یہ ایک بد قسمتی ہے کہ حدیث رسول آج ایک مظلوم علم بن گیا ہے۔ اس پر غیروں کے ساتھ اپنوں نے بھی کرم فرمائی کی ہے۔ جبہ صرف یہی ہے کہ اس کے نہ ماننے سے کسی بھی شخصیت کے امیج کو ابھارا جاسکتا ہے؟ کسی بھی کلچر کو اپنایا جاسکتا ہے۔ کسی بھی طرز واداکو دینی نام دیا جاسکتا ہے اور کسی بھی دانش کو تحقیق و جستجو سے یاد کیا جاسکتا ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اسے پرے رکھ کر بدستور مسلمان بھی رہا جاسکتا ہے۔ اور اگر مان لیا جائے تو اپنی ذات،

انا، شخصیت اور فکر کو خیر باد کہنا پڑتا ہے مگر ایک منکر اور آزاد منش انسان یہ قربانی کیوں دے؟۔

کہا جاتا ہے کہ حدیث کی حفاظت کا اہتمام نہ تو جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا اور نہ اس سے متعلق کوئی ہدایات دیں۔ حفاظت حدیث کیا ضروری تھی؟ حفاظت نہ کی جاتی تو کون سا پہاڑ ٹوٹ پڑتا؟ لوگ بذات خود قرآن کو سمجھتے اور دین اسلام جاری و ساری رہتا؟ خواخواہ اس کے لئے اتنے جھنجھٹ اختیار کیے گئے۔ چند دیگر عقل مندوں نے الٹی زندقہ لگائی اور کہا: بہت سی احادیث میں **Sense** ہی نہیں وہ ہماری عقل و دانش کے خلاف ہیں۔ قرآن کے بھی خلاف ہیں۔ کچھ نے کہا: احادیث میں **Fabrication** ایک حقیقت ہے آخر کس کس حدیث پر **Trust** کیا جائے؟ کسی نے یوں سوچا کہ سرے سے حدیث جاننا اور سمجھنا ہی بہت مشکل کام ہے اسے سوائے مجتہد کے اور کون سمجھ سکتا ہے؟ یہ اور اس قسم کے تحقیر آمیز کلمات جن میں حدیث رسول کا استخفاف ہی مقصود نظر آتا ہے ہمارے بعض مدبرین و واعظین کی تحریروں میں آگیا ہے۔ ایسے اعتراضات کو مستعار لینے اور دین پر جرنے کی بجائے ہمت کر کے اگر یہ لوگ اس علم کو خود را انہماک سے پڑھ لیتے یا اس کے ماہرین سے سیکھتے تو شاید توقع سے زیادہ انہیں تشفی ہوتی بلکہ بلاشبہ ان کا بہت سا ذہنی نقصان نہ ہوتا۔ انہیں یہ علم بھی ہو جاتا کہ ایمان و کفر کے درمیان معرکہ آرائی کس چیز کا نام ہے؟

مگر اس کا کیا کیا جائے کہ غیروں کے لٹریچر کو پڑھنا، انہی کو بطور ریفرنس کے پیش کرنا اور انہی کی **Tone** میں بات کرنا اگر کوئی اپنے لئے ایک قابل فخر چیز سمجھے تو وہ کتاب

وسنت کی طرف سے عائد کردہ فرائض و سنن اور اخلاق رسول ﷺ کی اتباع کو کہاں اپنے لئے پسند کرے گا اسے تو یہ سب کچھ بے جا پابندیاں نظر آئیں گی۔ سارا مسئلہ ہی مرعوبیت کا ہے اور ان کے لٹریچر کی ذہن سازی کا ہے۔ جب ان کا لٹریچر کام دکھا چکا تو پھر دین کی ہر بات انہی کی عینک سے دیکھی جائے گی نہ کہ اپنی عقل خداداد سے؟ کاش حق و باطل کے مابین امتیاز کی توفیق سب کو نصیب ہو جائے۔ آمین

ایسے بے وقعت اعتراضات سے نہ صرف دشمنان دین کو شہ ملی بلکہ انکار حدیث کے چور دروازے بھی کھل گئے۔ بہت سے قلم ران سامنے آئے جنہوں نے دانستہ یا نادانستہ طور پر محض لاعلمی یا مخصوص نظریاتی حمایت کے لئے حدیث رسول کو مشق ستم بنایا۔ ان محررین نے درایت، فطن، فقہ راوی اور خبر واحد وغیرہ کا سہارا لے کر شریعت کا کھل کر تو انکار نہ کیا البتہ بعض ثابت شدہ صحیح احادیث کی تشکیک کر کے سنت کے خلاف محاذ آرائی کا میدان ضرور کھول دیا۔ مگر عجیب بات ہے کہ خود ان کے مذہبی معاملے میں یہ حدیث ان کے گلے کی ہڈی بن گئی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ آثار قدیمہ کے تباہ شدہ کھنڈرات پر فخر کرنے والے اور ان کی حفاظت کرنے والے تو ان پر جان چھڑک دیں، مفروضہ تاریخ بنائیں، اربوں ڈالر خرچ کریں، جن کا ان کے مذہب، عقیدے اور اسلام کی مخالفت پر مبنی نظریے سے تعلق ہو اور جس کے نتیجے میں وہ جنگیں مسلط کر دیں پھر بھی مجنوں کی بجائے وہ مہذب کہلائیں۔ مگر نبی

امی ﷺ پر ایک شخص ایمان لائے۔ اور رسول اللہ ﷺ اس کے اخلاق، کردار، معاملات وغیرہ کو سدھار دیں۔ وہ بندہ خود یہ محسوس کرے کہ ایمان لانے سے قبل میں کیا تھا اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کے بعد میں کیا بنتا جا رہا ہوں۔ وہ نہ صرف خود اس پر عمل کرے بلکہ مسلمانوں میں عام کر کے اسے زندہ تر کر دے تو اسے روایت پرست اور ظاہر پرست کہا جائے۔۔۔۔

وہ مومن اگر آپ ﷺ کے دہن مبارک سے نکلے الفاظ کو جو مٹھاس رکھتے ہوں اور خلوص بھی، محفوظ کر لے یا آپ ﷺ کے ساتھ کسی بھی معاملے میں پڑ کر سراسر خیر ہی خیر کو پائے اور یہ محسوس کرے کہ انہوں نے تو اپنوں سے بھی بڑھ کر مجھے چاہا ہے۔ بھلا بتائیے وہ رب ذوالجلال کے اس فرمان کو کیسے بھلا سکتا ہے کہ: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ... اہل ایمان! تمہارے لئے تو رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی کا ایک ایک عمل اور قول بہترین نمونہ ہے۔ اس کے لئے جو اللہ سے ملاقات کی امید رکھتا ہے اور یوم آخر پر بھی۔

وہ کیوں نہ آپ ﷺ کے بارے میں یہ خیال کر کے آگے بڑھے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔ کہ لوگو! یہ رسول تو کبھی بھی اپنی خواہش نفس کے مطابق نہیں بولتا بلکہ وہ تو ایک وحی ہوتی ہے جو اس پر کی جاتی ہے اس کے مطابق بولتا ہے۔ جب غیر جناب رسالت مآب محمد ﷺ کو صادق و امین سمجھیں تو ایک بندہ مومن اگر جناب رسالت مآب

ﷺ کی الہامانہ احادیث کو حق مان کر ان پر عمل کرنا چاہیے، اسے یاد کر لے اور اس کو لکھ ڈالے تو یہ سب کچھ ایک ظنی و مشکوک سلسلہ قرار پا جائے۔ آخر اس الزام میں کون سی معقولیت ہے۔ فرق مراتب بھی تو آخر کچھ حیثیت رکھتے ہیں۔

افسوس یہ ہے کہ جنہوں نے حدیث رسول کا انکار کیا۔ وہ جو ضعیف احادیث کو صحیح احادیث پر ترجیح دیں۔ جنہوں نے ایسے اصول وضع کئے کہ ان سے اپنی مذہبیت پر آج نہ آئے مگر حدیث صحیح رخصت ہوتی ہے تو ہو۔ ان کے بارے میں یا ان کے استنباطات کے بارے میں نہ تو کوئی اشتباہ پیدا ہوا، نہ کوئی معیار قائم ہوا، نہ ہی کوئی تنبیہ ہوئی اور نہ ہی عقل و دانش نے وہاں اپنا کمال دکھایا بلکہ زبانیں تک گنگ ہو گئیں قلم خاموش ہو گئے مگر گرفت ہوئی یا نزلہ گرا تو حدیث رسول پر اور وہ بھی خود ساختہ نہ کہ تائیدی۔ کہ جس سے حدیث مشکوک ہو جائے اور اپنی مخصوص مذہبی فکر کی ترجمانی بھی ہو۔ کیا یہ غلو نہیں؟ فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ أن تصیبہم فتنۃ أو یتصیبہم عذاب الیم۔

یاد رکھئے! حدیث کی حفاظت اس لئے ضروری تھی تاکہ:

- دین محفوظ ہو جائے۔ بالخصوص قرآن کو تحفظ دیا جائے کیونکہ حدیث، قرآن کا بیان ہے جس کی حفاظت کے بغیر متن قرآن کی حفاظت بے معنی ہے۔
- قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے اپنی عقل و فہم کی بجائے اسی کی وضاحت و فہم

سے سمجھا جائے جس پر قرآن اتر ا ہے۔ یاد رکھئے حدیث قرآن کی تشریح ہے بدل نہیں۔

--- ہر کوئی من مانی تاویل کر کے قرآن کو اپنی خواہشات کی سان پہ نہ چڑھا سکے۔ کیونکہ قرآن مجید میں بے شمار ایسی آیات ہیں جن کے مفہوم و مراد تک کسی مجتہد کی رسائی نہیں ہو سکی۔ ان کے سمجھنے میں اگر حدیث سے راہنمائی نہ لی جائے تو ان آیات پر عمل ناممکن ہو جائے گا۔

--- مسلمان اسی کی حدود میں رہ کر اپنی اصلاح کریں تاکہ ذہنی و فکری انتشار و اغواء سے بچ سکیں۔

--- اپنے لئے اطاعت و اتباع کے الفاظ پر فخر کریں نہ کہ ایسے الفاظ پر جو انسانی وقار کے منافی ہوں۔

--- شریعت سازی نہ ہو اور فرقہ واریت یا تہذیب سر نہ اٹھا سکے۔

--- کسی تہذیب سے متاثر ہونے کی بجائے اس دین پر فخر کریں جو آپؐ لائے۔

--- آپ ﷺ کا دیا ہوا کلچر اور نظریہ ہی عام ہو۔

--- محدثین کرام کی یہ کاوشیں اور ان کا تحقیقی ذوق، مختلف علوم کے ماہرین

کے لئے ایک مثال بن جائے۔

--- حدیث کے انتخاب میں یا روایت میں کسی قسم کا تساہل یا بے احتیاطی
نا قابل تسلیم ہوگی۔

یہ کشمکش پہلی صدی ہجری کے آخر سے لے کر اب تک جاری و ساری ہے۔ رسول
اکرم ﷺ کو جس طرح آپ کی حیات طیبہ سے لے کر اب تک غیروں نے نشانہ بنایا وہی
کام اپنوں نے آپ ﷺ کے ارشادات کے ساتھ کر ڈالا۔ آپ کے ارشادات کو اگر اس
طرح کم نظری کا شکار کرنا تھا تو پھر آپ ﷺ سے عقیدت و ایمان چہ معنی دارد؟ کیا اب
صرف نام رسول ہی بلیک میلنگ کے لئے رہ گیا ہے؟ حدیث کے ساتھ یہ داخلی اور خارجی
ریشہ دوانیاں آخر کب تک؟

خلافت مرتضوی میں سبائیت نے جو فتنے اٹھائے اس میں بے شمار من گھڑت
احادیث کا پھیلاؤ بھی تھا۔ اسی بناء پر بعض صحابہ رسول نے روایت حدیث ذرا کم کر دی۔
زندہ یقینت بھی اپنے داؤ پیچ لڑانے میں مصروف ہو گئی۔ وہ اپنی شب و روز کی مصروفیات میں
حدیث رسول کو قابل اعتناء سمجھنا تو درکنار، کمزور مسلمانوں کو بھی اس سے باز رکھنے لگی۔
خارجی اپنی نیکی، اور سختی کے باوجود ایسی احادیث کا انکار کر بیٹھے جو فضائل اہل بیت کا نوشتہ
دیوار تھیں۔ اہل تشیع نے رد عمل میں آ کر فضائل صحابہ میں وارد رسالت کی زبان سے نکلے
ارشادات کو ماننے سے انکار کر دیا۔ صفات الہی ثابت شدہ ہیں زبان رسالت نے انہیں

عقیدے کی درستگی کے لئے وقتاً فوقتاً واضح بھی کیا مگر عقلیت پسندی کے شکار اور رجائیت زدہ افراد میں نہ مانوں کی رٹ لگاتے رہے۔

بعد کے کچھ فقہاء ذاتی فقاہت کے زعم میں ایسے مبتلا ہوئے کہ مخالف مسلک احادیث کو ہضم نہ کر سکے اور غیر فقیہ صحابی کی اصطلاح چسپاں کر کے ان صحابہ کی بعض احادیث کو ترک کر گئے اور بعض موافق مسلک احادیث کو ان کی غیر فقیہانہ ذات اور غیر فقیہانہ روایت کے باوصف قبول بھی کر گئے۔ بلکہ اہل فقہ نظر کا کسی حدیث کو نقل کرنا، اس پر عمل کرنا اس حدیث کے صحیح ہونے کی دلیل قرار دیا گیا خواہ سند کے اعتبار سے وہ حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔ کچھ دانش ور اپنے اصولی اور فروعی تعصبات کا ایسا شکار ہوئے کہ خبر واحد جو حدیث رسول ہی نہیں بلکہ دین اسلام کی جان ہیں ان کا انکار کر بیٹھے۔ علماء مستشرقین نے اپنی دین دشمنی کی آگ کو احادیث کے الفاظ کو محرف کر کے ٹھنڈا کیا مگر ہمارے دانشور حضرات کی ایک معتد بہ تعداد نہ صرف ان کے خیالات سے متاثر ہوئی بلکہ جھوٹی شہرت و عزت کی خاطر ان کی عادات، اطوار، طرز گفتگو، زبان کی بھی گردیدہ ہوئی اور اپنی دانش کا رخ بجائے اُدھر پھیرنے کے انہوں نے اُدھر پھیر دیا اور شرعی احکام کو بالائے طاق رکھا۔ آیات جو اطاعت و اتباع کا درس دیتی ہیں انہیں نظر انداز کیا۔ تفہیم سنت اور تدبیر حدیث کے خود ساختہ اصول و مبادی ایسے گھڑ لئے کہ آیات قرآنی کی وضاحت کے لئے اللہ نے یہ توفیق ہی چھین لی کہ جس پر قرآن اتر رہا ہے اس سے ہی اس کے تفسیری نکات معلوم کر لیں۔ کسی حدیث کو یا صحابی رسول کے تفسیری بیان سے ہی مستفید ہوا جائے۔ ہاں اگر

قابل فخر بات ٹھہری تو جاہلی دور کی شاعری یا قدیم عربی ادب کو اور اپنی وحی کو بطور ریفرنس کے پیش کر دیا گیا جب کہ اس کی حیثیت اس وقت مسلمہ گردانی گئی ہے جب حدیث رسول یا اقوال صحابہ خاموش ہوں۔ یعنی کسی نقلی دلیل کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی گئی۔ حدیث سے یہ بعد ایک بڑی بد قسمتی اور محرومی ہے۔ رہی حدیث دانی تو اس کے لئے دانش وران دین کے مسلمہ معیارات کو ذرہ برابر وقعت نہ دی گئی جو آج ایک متفقہ میزان ہیں بلکہ اپنی عقل خام کی لیبارٹری میں بخاری و مسلم کی روایات کو پر کھنے کے عجیب و غریب تجربے و تجربے کے گئے جو خواہ مخواہ لکل فن رجال کی نفی اور دخل اندازی ہے۔ کچھ نے حدیث کو ایک تاریخی ذخیرہ بھی کہا، نیچر کے قائل یہ نئے کھلاڑی نہ صرف صحیح احادیث کو قلم زد کر بیٹھے بلکہ قرآنی آیات کے متفقہ معانی و مفہوم کو بھی بدل بیٹھے۔

جب یہ حالات ہوں اندر باہر سے حملے ہوں اور تاحال ہو رہے ہوں تو کیا اس میدان کا رزار میں حدیث کا جھنڈا اٹھانے اور اسے بلند کرنے کا عمل آسان ہے؟ جرات و استقامت حق کی داد کے یہ لوگ مستحق نہیں جنہوں نے چوکھی لڑائی لڑ کر بھی اس کے علم کو نیچا نہ ہونے دیا۔ اور اس حدیث کا مصداق بنا چاہا : لا یزال طائفة من أمتی منصورین علی الحق لا یخذلہم ۔۔۔ میری امت کا ایک گروہ حق پر قائم رہتے ہوئے بھی غالب رہے گا انہیں رسوا کرنے والا خود ہی ذلیل ہوگا۔

یاد رکھئے! حدیث کو بیان کرنا، اسے یاد کرنا، اس کی خاطر دور دراز کا سفر اختیار

کرنا، اپنے آپ کو جان جوکھوں میں ڈالنا، افراد کی علمی، شخصی، عملی اور رجحانات کی تحقیق کرنا، فتوے محض نصوص سے دینا، استدلال کو ٹھوس اور مدلل شواہد سے پیش کرنا، اپنی رائے سے حتی الامکان مجتنب رہنا، اور ہر ایک کے قول و فعل اور فتوے پر صحیح حدیث کو ترجیح دینا اور اسی کو اپنا نقطہ نظر بنانا محض کوئی مشغلہ روایت نہیں تھا بلکہ پورے دین کی حفاظت کا مسئلہ تھا۔ جو قرآنی تاکید تھی، جناب رسالت مآب کی آخری وصیت اور دعا تھی اور صحابہ رسول کا شعار تھا اور سلف صالح کی علمی و عملی شان و وقار تھا۔

سامعین کرام! إن جاءكم فاسق بنبأ فتبينوا اگر تمہارے پاس کوئی فاسق اہم خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ کی تاکید کیا حفاظت حدیث کے لئے نہ تھی۔ حفاظت قرآن کے لئے آپ ﷺ کا یہ فرمانا: ألا إنما أوتيت القرآن ومثله معه لو غورے سنو مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس جیسی اور وحی بھی۔ لہذا حدیث کو قرآن کی اور قرآن کو حدیث کی روشنی میں سمجھا جائے اور انہیں ایک دوسرے سے جدا نہ کیا جائے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا: أكتب! واللہ لا یخرج من هذا إلا حق، عبد اللہ! میری احادیث کو لکھ لیا کرو۔ اللہ کی قسم اس زبان سے سوائے حق کے اور کچھ نہیں نکلتا۔ یا اکتبوا لأبی شاہ، میرے صحابہ! ابوشاہ کے لئے میرا یہ خطبہ لکھ دو۔ یہ سب آخر کیا تھا؟۔ کیا اپنے عمال کو مسائل لکھ کر بھیجنا، بادشاہوں کو خطوط لکھ کر انہیں دعوت اسلام دینا، اور اپنی احادیث یاد کروانے کے لئے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو دعائیں دینا اور امت کے ہر اس خوش بخت انسان کو دل سے یہ فرمانا کہ: نصر

اللہ امرأ سمع مقالتي فوعاها فأدأها كما سمعها۔ اللہ اسے تر دنازہ رکھے جو میری بات کو غور سے سنتا ہے اسے اچھی طرح از بر کرتا ہے اور پھر اسے اسی طرح آگے پہنچا دیتا ہے جیسے اس نے سنی ہوتی ہے۔ یہ حفاظت حدیث اور اس کی تبلیغ و اشاعت کے اقدام نہیں تو اور کیا ہیں؟۔

موقوف و کسری کو آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی خطوط لکھے۔ ان خطوط کو لے جانے والا فرد واحد ایک صحابی رسول ہے۔ بتائیے! اگر موقوف اس خط میں لکھی گئی تحریر کو قبول نہیں کرتا تو دین کی نظر میں وہ کون ہوگا اور اگر وہ اسے قبول کرتا ہے تو پھر کون؟ یہ خبر واحد ہے جو عقیدہ و عمل ثابت کر رہی ہے۔ خلفاء راشدین نے اپنی خلافت کے امور نمٹانے میں اسے ہی ترجیح دی، حتیٰ کہ خلیفہ وقت کے کچھ آرڈینینس مصلحتی اگر خلاف حدیث ثابت ہوئے تو انہیں بھی اپنے اجتہاد، قیاس یا توجیہ کے مقابلے میں حدیث رسول کو ترجیح دینا پڑی۔ صحابہ رسول نے اسے اپنا ح نظر بنایا، تابعین نے اسے کھنگالا، تبع تابعین نے قبولیت حدیث کے کچھ معیارات قائم کئے اور محدثین کرام نے روایت و درایت کے کچھ قابل قبول مگر بے لاگ اصول وضع کئے تو یہ سب کچھ اگر حفاظت حدیث کے لئے نہیں تھا تو کس کے لئے تھا؟۔

اس لئے امام المحدثین ابن شہاب الزہری ہوں یا سفیان بن عیینہ، امام مالک ہوں یا سعید بن منصور، یحییٰ بن معین ہوں یا علی بن المدینی، امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری جیسا مجتہد ہو یا امام مسلم جیسا محدث کبیر، خطیب بغدادی ہوں یا ابن الجوزی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہوں یا محدث العصر الشیخ ناصر الدین البانی رحمہم اللہ

رحمة واسعة ان سب نے اپنے اپنے دور میں حفاظت حدیث کی جو خدمات سرانجام دی ہیں وہ بلاشبہ مسلکی و مذہبی رجحانات سے مبرا خدمات تھیں۔ جن سے تعصبات کو ختم کرنے، شخصیت پرستی کو دفن کرنے اور لوگوں کو اصل دین پر لانے میں بڑی معاونت ملی ہے۔

لا ریب! محدثین کے اصول اور ضابطے بڑے نرالے اور فطری تھے۔ صرف صحیح مرفوع حدیث ہی ان کا اولین قابل عمل اور قابل قبول سرمایہ تھا۔ اسی کی دعوت دی اور اسی پر عمل کیا۔ اور اس کی مخالفت پر نکیر بھی کی۔ اسی طرح درایت حدیث کی پرکھ کے لئے صحیح مرفوع حدیث میں ہی روایت و درایت کی تمام شرائط کو پرو دیا۔ تاکہ فرد اور اس کی روایت کا تجزیہ بیک وقت ہو سکے۔ اور ضعیف، مرسل، شاذ اور موضوع احادیث سے اجتہاد و فقہی استنباط کو مکمل طور پر روکا جاسکے۔ اس طرح کے دیگر اصول بھی ہیں جنہیں عام و خاص نے پسند کیا مگر بہتوں کو تکلیف بھی ہوئی اس لئے کہ وہ ان پر پورے نہیں اترتے تھے۔ ایسے لوگوں کا حافظہ، ان کی سوچ، ان کے رجحانات، ان کا عمل، ان کی عبادات میں کمزوری، نمایاں ہوتی تو وہ محدثین ناقدین کے ہاں اس قابل نہ ٹھہرتے کہ ان کا ذکر اپنی تصانیف میں کریں یا ان کی کسی کمزور روایت کو اپنی کتاب میں جگہ دیں۔ یہ وہ بے لاگ تبصرے ہیں جو محدثین فرما چکے۔ مبادیات کا درس دینے والے کاش اصل کتب کا مطالعہ ہی فرما لیتے۔

کیا اس رویہ اور سوچ سے قرآن مجید محفوظ رہ سکتا ہے اگر حدیث رسول کو ایک طرف کر دیا جائے؟ اور اس کی حفاظت نہ کی جائے؟ کتنے ہیں جنہوں نے یہ فکر دینے کی

جسارت تو کی مگر قرآن کے معنی اور مفہوم میں وہ خود متفق نہ ہو سکے! کیا حدیث رسول محفوظ رہ سکتی تھی اگر زائد و عابد یہ طے کر لیں کہ نحن نكذب له لا عليه۔ کہ ہم تو آپ کے لئے جھوٹ بولتے ہیں نہ کہ آپ پر۔ اور جنہیں اس وعید رسول کا پاس و لحاظ ہی نہ ہو کہ: من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار۔ کہ جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے گا اسے اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالینا چاہئے۔ کیا جو شخص عقیدہ ہی یہی بنا لے کہ حالات کو سنوارنے اور بگاڑنے کے لئے رسول اکرم ﷺ پر جھوٹ بولنا جائز ہے اس کی احادیث قابل قبول ہو سکتی ہیں؟ کیا قصوں اور وعظوں میں لوگوں کی توجہ مبذول کرانے اور دلوں پر رقت طاری کرنے کے لئے مفروضہ قصہ گوئی یا طول طویل کہانی رسول اللہ ﷺ کے نام سے جائز ہوگی؟ کیا مسائل کی تخریج و استنباط کے لئے صحیح حدیث کی بجائے کسی عالم و فقیہ کے اقوال کو سامنے رکھ کر فقہی استنباط اس خوش فہمی کی بنیاد پر تو جائز ہو کہ اگر ہمارے یہ بزرگ آج موجود ہوتے تو وہ بھی ایسا ہی فرماتے مگر رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ایسا خیال ہی نہ آئے؟

کیا یہ حفاظت حدیث ہے کہ معروف فقہی مسائل و فضائل تو صحیح احادیث سے ثابت ہوں مگر انہیں بیان کرنے میں ہچکچاہٹ ہو اور جو بلا سند اور شخصی ہوں یا ضعیف تر روایات ہوں، کشف و خواب ہوں، انہیں مان لیا جائے، ان سے استنباطات مسائل ہوں اور ان پر عمل کی دعوت بھی دی جائے؟ کیا اطاعت و اتباع کے الفاظ حدیث رسول کی حفاظت کی دعوت دیتے ہیں یا تقلید و مقلد کے؟ کیا اطاعت رسول کی نسبت حفاظت حدیث

کی ضمانت دیتی ہے یا اپنے اپنے ائمہ کی طرف نسبت حدیث کی بقاء کی ضمانت ہے؟ کیا ہمارا علمی تحقیقی غرور تو ہماری عقل کو یہ سمجھا دے کہ یہ صحیح حدیث ناقابل عمل ہے مگر اپنی بد عملی اور جہالت پر ہمیں رونا نہ آئے؟ ہمیں رسول اکرم ﷺ کی اس شہادت پر تو یقین نہ آئے کہ ماعز رضی اللہ عنہ اب اپنی سچی توبہ کے بعد جنت کی نہروں میں غوطے کھا رہے ہیں مگر ہم بدستور یہ رٹ لگائیں کہ وہ اوباش تھے۔ اس سے بڑھ کر اوباش پن کیا کچھ اور ہو سکتا ہے؟

محدثین کا یہی قصور تھا کہ وہ ہر عالم و فقیہ کے قول کو قبول کرنے سے قبل تحقیق حدیث فرماتے ورنہ وہ ظاہر بین ہو جاتے۔ مگر افسوس کہ الٹا چور کو تو ال کو ڈانٹنے والی بات ٹھہری۔ انہوں نے یہ بھی جرم کیا کہ سائل کا جواب صرف صحیح حدیث کو روایت کر کے دے دیا اور اپنی طرف سے کوئی گہر نہیں لگائی۔ کیونکہ وہ یہی اصل فقہ سمجھتے تھے۔ انہوں نے یہ بھی غلطی کی کہ اگر کوئی غیر مستند اور غلط روایات پر مبنی فقہی مسائل بیان کیے جا رہا ہو تو وہ ایسی روایات کا تار و پود کھول دیں اور حدیث دانی میں اسے یتیم قرار دیں۔ عالم اسلام اگر ان کے پاس چل کے آتا اور چاہتا کہ ہم بھی ارشادات رسول سے اپنے آپ کو واقف بنائیں تو محدثین کرام کو یہ شوق نہیں تھا کہ لوگوں کو پکڑ پکڑ کر احادیث سنائیں بلکہ جس کو اہل پاتے یعنی وہ حافظ قرآن ہوتا، اس کا حافظہ اچھا ہوتا اور سماع حدیث کا شوق رکھتا اسے رسالت کا یہ علم سند دے کر منتقل کر دیتے اور پوچھے گئے فقہی مسائل کے جواب میں بھی صحیح احادیث رسول ﷺ کو بیان کر دیتے۔ یوں وہ صحیح رجحانات کی راہنمائی فرماتے۔

عثمان بن سعید الدارمیؒ کہتے ہیں ہم مصر میں سعید بن ابی مریمؒ کے ہاں بیٹھے تھے ایک شخص آیا اور عرض کی کہ مجھے چند احادیث بیان فرمادیجئے۔ ابن ابی مریم نے اس کی اس درخواست پر کوئی توجہ نہ دی۔ اتنے میں ایک اور صاحب آئے انہوں نے احادیث سننے کی خواہش ظاہر کی ابن ابی مریم نے انہیں سنا دیں۔ پہلا شخص بولا کہ میں نے آپ سے عرض کی مگر آپ حدیث سنانے سے باز رہے لیکن اس شخص کی درخواست پر آپ نے اسے احادیث سنا دیں آخر کیوں؟ ابن ابی مریم فرمانے لگے کہ جب تم شیبانی اور سیبانی یا ابو حمزہ اور ابو حمزہ کے مابین اس وقت تمیز کر لو کہ ان دونوں میں کون کون ابن عباس سے روایت کرتا ہے تو ہم تمہیں نہ صرف احادیث سنائیں گے بلکہ اپنے خاص طلبہ میں شامل کر لیں گے۔ (المحدث الفاصل: ۲۷۴، سیر اعلام النبلاء: ۳۲۹/۱۰)

امام مسروق نے اس بارے کیا خوب کہا ہے کہ لا تنشر بزک إلا عند ما یبغیہ۔ اپنے کپڑے کو اس خریدار کے آگے پھیلاؤ جو اس کا فی الواقع خریدار ہو۔ یعنی ہر کس و نا کس کو حدیث رسول ﷺ مت سناؤ۔

فقہ ینگانہ، حافظ حدیث امام ابن شہاب زہریؒ فرمایا کرتے: إن للحديث آفةً ونكدًا، وهجنةً، فأفته نسيانه، ونكده الكذب وهجته نشره عند غير أهله۔ کہ حدیث میں آفت بھی ہے اور عسرت و تنگی بھی اور عیب بھی۔ اس کی آفت اس کا بھولنا ہے اس کی تنگی اس میں جھوٹ بولنا ہے اور اس کا عیب یہ ہے کہ نا اہل کو یہ علم بخش دیا جائے۔ (العلل ومعرفۃ الرجال: ۹۲)

حدیث رسول کے محافظین نے دین اور اس کے فہم کے اتھاہ سمندر کو فرد و احدا کی کسی مفکر کی سوچ پر نہیں چھوڑا۔ اس لئے کہ اس کے نتائج سوائے منتشر خیالی کے اور کچھ نہیں۔ امت میں واقع ذہنی و فکری انتشار حدیث رسول کا پیدا کردہ نہیں بلکہ چیدہ چیدہ شخصیات کے افکار پر سخت پابندی کا ہی نتیجہ ہیں۔ اس لئے پاسداران حدیث کسی بھی زاہد و عابد یا واعظ و کاتبوں کے ظاہری ہیولے سے متاثر ہوئے اور نہ ہی مرعوب بلکہ اس کے کردار و عمل کے ساتھ حفظ حدیث کو بھی انہوں نے پرکھا اور دیکھا۔ بعض دور اندیش اور صاحب بصیرت علماء اس معاملے کی نزاکت و اہمیت کو سمجھ کر تسلیم کرتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے کہ کہیں حفظ حدیث میں غلطی اور بھول کا شکار ہو کر ناقدین حدیث کی نذر نہ ہو جائیں۔ امام مالکؒ نے ایک ایسے شخص کی حدیث کو قبول کرنے سے انکار کر دیا جو مسجد نبویؐ میں رکھے منبر میں یہ تمیز نہ کر سکا کہ یہ منبر رسول ہے یا اموی خلفاء کا بنایا ہوا۔ نقد حدیث کے یہ نرالے اصول جو روایت اور درایت دونوں پر مبنی تھے ہر نام نہاد محقق کے لئے قابل اصلاح ہیں۔ ورنہ معروف زبان زد لفظ درایت اپنے مفہوم میں، انکار حدیث اور انکار معجزات کے لئے ایک چور دروازہ ہے۔

حدیث کے یہ اُمناء یوں بھی قصور وار ٹھہرے کہ کسی کی فقاہت و منزلت اپنی جگہ مگر صحیح و حسن حدیث کے ہوتے ہوئے محض حدیث ضعیف و موضوع سے استنباط مسائل کرنا اور پھر ان کا فقہی کتب میں اندراج کرنا اپنی جگہ، مگر کیا یہ طرز استدلال درست ہے؟ اس کی نشاندہی مجبوراً یوں کی گئی کہ:

ومن ههنا نصوا على أنه لا عبرة للأحاديث المنقولة في الكتب المبسوطة ما لم يظهر سندها، أو يعلم اعتماد أرباب الحديث عليها، وإن كان مصنفها فقيها جليلا يعتمد عليه في نقل الأحكام وحكم الحلال والحرام، ألا ترى إلى صاحب الهداية من أجلة الحنفية والرافعي شارح الوجيز من أجلة الشافعية مع كونهما ممن يشار إليه بالأنامل ويعتمد عليه الأماجد والأماثل قد ذكرا في تصانيفيهما ما لا يوجد له أثر عند خبير بالحديث يستفسر، كما لا يخفى على من طالع تخريج أحاديث الهداية للزيلعي وتخريج أحاديث شرح الرافعي لابن حجر العسقلاني، وإذا كان حال هؤلاء الأجلة هذا فما بالك بغيرهم من الفقهاء الذين يتساهلون في إيراد الأخبار ولا يتعمقون في سند الآثار۔ (الاجوبة الفاضلة: ٢٩) اسی لئے علماء نے واضح طور پر لکھا ہے کہ ایسی احادیث کا کوئی اعتبار نہیں جو فقہ کی بڑی بڑی کتابوں میں نقل کی گئی ہیں ہاں ان کی سند ظاہر ہو یا محدثین نے اس پر اعتماد کیا ہو۔ خواہ ان کتب کے مصنفین کتنے ہی بڑے مرتبہ کے فقیہ ہی کیوں نہ ہوں جن پر احکام اور حلال و حرام کے مسائل بیان کرنے پر اعتماد کیا جاتا ہو۔ تم ذرا ہدایہ کے مصنف ہی کو دیکھو جو جلیل القدر علماء احناف میں سے ہیں اور رافعی جو الوجیز کے شارح ہیں ان کو دیکھو جو فقہاء شوافع میں عالی مرتبہ رکھتے ہیں باوجودیکہ یہ دونوں ایسے حضرات ہیں جن کی عظمت کی وجہ سے لوگ ان کی طرف اشارے کرتے ہیں اور دانش ور حضرات ان پر اعتماد بھی کرتے ہیں مگر پھر بھی انہوں نے اپنی اپنی کتابوں میں ایسی احادیث روایت کر ڈالی ہیں جن کا نام و نشان تک علماء حدیث کے ہاں نہیں پایا جاتا جیسا کہ علامہ

زیلعیؒ کی تخریج ہدایہ اور حافظ ابن حجر کی تخریج شرح رافعی کا مطالعہ کرنے والے پر یہ امر مخفی نہیں ہے۔ جب ان جلیل القدر فقہاء کا یہ حال ہے تو دوسرے فقہاء جو احادیث کو روایت کرنے میں متساہل ہوں اور آثار کی سند بیان کرنے میں غور و فکر ہی نہ کرتے ہوں ان کا کیا حال ہوگا۔

انہوں نے یہ بھی جرم کیا کہ کسی کے استدلالات محض عقلی مفروضے، شرعی مقاصد سے دور، اور واضح نصوص کے خلاف اگر ہیں تو انہیں صحیح حدیث کے مقابلے میں کوئی وقعت نہ دی جائے اور یوں بعض لوگ ان سے چسپ بچیں ہوئے؟ انہوں نے تعقل پسند، منکرین قرآن اور مشکلین کا علمی محاسبہ کیا اور کتاب و سنت کی روشنی کو اجاگر کیا۔ تحقیق حال کے لئے سفر کیا کہ اس حدیث کا راوی کون ہے؟ کیسا ہے؟ رجحانات کیا رکھتا ہے؟ اس کا حافظہ کیسا ہے؟ کب اس نے حدیث سنی؟ کس سے سنی؟ اس کے اساتذہ کون کون ہیں؟ اس کا اپنا کردار کیسا ہے؟ حدیث فہمی کیا رکھتا ہے، استنباط مسائل میں اس کے استدلالات کیا کیا ہیں اور کہاں سے ہیں وغیرہ؟ محدثین کے اس عمل کو بے مقصد اور علم سے دور ایک کوشش قرار دیا گیا جب کہ دنیا ان سے یہ دریافت کرتی۔ خیریت تو ہے اتنی تحقیق ہو رہی ہے اُتریدون اُن تزوجوہ؟ کیا تم اسے اپنی بیٹی بیاہ دینا چاہتے ہو۔ یا کسی سے تنگ آتی تو ہاتھ اٹھا کر رب ذو الجلال کی بارگاہ میں یہ دعا کرتی: اللہم سلط علیہ رجلا محدثا۔ اے اللہ! اس پر کسی محدث کو مسلط فرما دے جو اس کے احوال کو منکشف کرے اور اپنی کتاب میں لکھ ڈالے۔ ایسی باتوں کو بے مقصد کہہ کر کس نے کس کے لئے کون سی راہ ہموار کی؟.....

محدثین کی یہ سرگرمیاں درحقیقت اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی۔ امام مؤملؒ کہتے ہیں کہ ایک زاہد شیخ نے مجھے قرآن مجید کی سورتوں کے فضائل پر مبنی ایک حدیث سنائی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ حدیث آپ کو کس نے روایت کر کے سنائی ہے۔ اس نے کہا ایک ایسے شخص نے جو مدائن میں تھا اور وہ زندہ ہے۔ چنانچہ میں مدائن اس شخص کے پاس آیا اس سے دریافت کیا کہ یہ حدیث آپ نے کس سے سنی ہے؟ اس نے جواب دیا مجھے واسطہ کے ایک بزرگ نے سنائی ہے۔ میں واسطہ آیا اور اس سے ملا۔ عرض کی کہ آپ نے یہ حدیث روایت کی ہے کس سے سنی ہے؟ وہ کہنے لگے کہ بصرہ کے ایک شیخ سے یہ حدیث سنی تھی۔ میں بصرہ آیا ان سے پوچھا تو کہنے لگے کہ عبادان کے ایک شیخ سے یہ حدیث سنی تھی۔ عبادان میں اس بزرگ سے جب میں نے دریافت کیا کہ یہ حدیث آپ کو کس نے سنائی؟ تو میرا ہاتھ پکڑ کر ایک گھر میں لے گئے جہاں متصوف حضرات کی ایک جماعت موجود تھی جن کے ساتھ ان کے شیخ بھی تھے۔ تو انہوں نے اس شیخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میں نے یہ حدیث ان سے سنی تھی۔ میں نے اس شیخ سے عرض کی کہ آپ نے یہ حدیث کس سے سنی؟ تو کہنے لگے: مجھے کسی نے یہ حدیث نہیں سنائی بلکہ ہم نے محسوس کیا کہ لوگ قرآن مجید سے منہ موڑتے جا رہے ہیں تو ہم نے ان کے لئے ایسی احادیث وضع کر دیں تاکہ ان کے دلوں کو قرآن کی طرف مائل کر سکیں۔ (التحقیق والایضاح: ۱۱۲)

رسول اکرم ﷺ کی حدیث کے معاملے میں یہ محتاط کوششیں لایعنی سرگرمیاں نہیں

کہی جاسکتیں بلکہ ریسرچ اور تحقیق کی وہ انتہائی کوششیں ہیں جو کسی بھی بات کی حقیقت تک پہنچانے میں معاون ہیں بلکہ مناہج تحقیق کو متعین کرتی ہیں۔

عرب و عجم کے اختلاط نے جس طرح عربی زبان کو متاثر کیا عربی ادب کا ایک طالب علم اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ اس کی حفاظت کے لئے نحو و صرف کے قواعد بنانا پڑے تاکہ عربی زبان لحن سے محفوظ رہے۔ اسی طرح فتوحات کے نتیجے میں معاشرتی تبدیلیاں نمایاں ہوئیں تو حکومت وقت کو شریعت کی رو سے قوانین بنانا پڑے تاکہ معاشرہ سنبھل سکے۔ زاہدوں، صوفیوں، بدعتیوں، قصہ گو و اعظموں، غالیوں اور زندلیقوں کی حرکتوں نے حدیث کو جب متاثر کیا تو محدثین کو حدیث فہمی، حدیث دانی اور روایت حدیث کے لئے کچھ قوانین بنانا پڑے تاکہ حدیث محفوظ رہے۔ کیا یہ ایک حقیقت نہیں کہ یوں حدیث محفوظ رہی؟ یہ وہ راہنما اصول تحقیق ہیں جو بلاشبہ آج بھی ریسرچ سکا لرز کے لئے صحیح راہنمائی کا سچا اور درست ذریعہ ہیں۔

اس لئے لم یكونوا يسألون عن الإسناد فلما حدثت الفتنة قالوا
سموا النار جالکم کہ شروع شروع میں صحابہ کرام ہوں یا تابعین عظام، وہ کسی کی روایت پر اس سے سند حدیث کا مطالبہ نہیں کرتے تھے مگر جب فتنہ پیدا ہوا تو ان محدثین نے حدیث سنانے والے سے کہا:
پیش کرو ان کے نام جن سے تم نے یہ حدیث سنی ہے۔ کا اصول اور فیصلہ درست تھا۔ فتنہ کیا تھا؟
شہادت عثمان ذوالنورینؓ۔ شہادت کی وجہ کیا بنی؟ بیرونی خیالات در آئے۔ نئے

افراد حاملین حدیث کے قافلے میں شامل ہو گئے۔ نظریات شخصیتوں کی بنیاد پر بننا شروع ہوئے۔ نئے افکار کو ہوا دی جانے لگی۔ جھوٹ گھڑنا عام ہونے لگا۔ رقت و زماہٹ پیدا کرنے کے لئے زاہد و واعظ فضائل و اعمال کو لے کر میدان میں اتر گئے۔ قصہ گوؤں نے اسے مزید شدہ دی۔ فرائض کی بجائے فضائل کا عادی لوگوں کو بنایا جانے لگا۔ شخصیتیں جب مراد بن گئیں تو پھر اپنے اپنے حلقے قائم ہونے لگے۔ اصول بنے، نکسالیں لگیں اور مسائل ایجاد ہوئے۔ یوں ہر حلقے نے اپنے اپنے حلقے کے افراد کو اپنی شخصیات کا پابند بنا دیا۔ اس طرح حدیث متاثر ہوئی۔ جس کی حفاظت کے لئے علماء حدیث کو روایت و درایت کے مناجح وضع کرنا پڑے۔

شخصیتوں کی عظمت و شان اور ان کا مقام عالی سر آنکھوں پر، مگر انہیں تقدس اور معصومیت کا یہ درجہ دے دیا گیا کہ ان کی ہر بات اور ہر عمل خواہ اس کی سند نہ ہو۔۔۔ کو تو اتر کا درجہ دے دیا گیا مگر جو صحیح حدیث صحیح سند کے ساتھ ثابت ہوئی اسے ناقابل استدلال کہا گیا۔ یہ کون سا منہج ہے آخر؟ اس طرح بھی حدیث متاثر ہوئی اور حفاظت کرنا پڑی۔

تقلید کو جائز قرار دینے کے لئے حدیث، فن حدیث اور مسائل حدیث کو تمنازعہ بنا دیا گیا جس سے غالباً سیاسی فائدے بھی اٹھانے کی کوشش کی گئی کہ یہ سب فرقہ واریت کی باتیں ہیں حالانکہ خود سب سے بڑے فرقہ باز ہیں۔ اجی! آٹھ اور بیس تراویح کا جھگڑا ہے رفع یدین اور عدم رفع یدین پہ لڑائیاں ہیں جب کہ اصل مسئلہ یہ مسائل ہی نہیں جو احادیث

میں وارد ہیں بلکہ اصل مسئلہ تقلید کا ہے۔ تقلید کو غالب کرنے کے لئے یہ شوشہ چھوڑنے کی ضرورت محسوس کی گئی اور اپنے اختلاف در اختلاف، جو ایک ہی مسلک میں، اس کے فقہاء میں اور کتب میں نمایاں نظر آتا ہے اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ یوں تقلید کرنے کے جوش میں اطاعت رسول کی حیثیت ثانوی ہی نہیں بلکہ ذاتی فکر کے ماتحت ہو گئی۔ حالانکہ تقلید کے جواز کی کوئی نقلی کیا عقلی دلیل بھی نہیں بنتی۔

سوچئے! جس مسلک نے اپنے امام کے اقوال وغیرہ کی تخریج در تخریج کی ہو، یعنی ایک قول یا مسئلے پر قیاس کر کے دوسرا قول یا مسئلہ قیاس کیا ہو، جس مسلک کے فقہاء کرام میں یہ تقسیم کی گئی ہو کہ عبادات میں فتویٰ استاد کا اور قضاء میں فتویٰ شاگرد کا چلے گا تو پھر تقلید کہاں رہی؟ دوسری طرف یہ کوشش کی گئی کہ کسی طرح حدیث رسول کو فہم واحد کے تابع کر دیا جائے جب کہ حدیث رسول کی روایت و درایت میں ہزاروں ماہرین فن کی مخلصانہ کوششوں کا دخل ہے۔ عوام سے یہ بات دانستہ چھپائی گئی کہ حدیث کے مقابلے میں کتب فقہ کی ہر کتاب کے تقریباً ہر صفحہ پر کسی بھی امام محترم اور ان کے شاگردوں کے مابین ایک ہی مسئلے پر بے شمار اختلافات و تعصبات موجود ہیں اور یہی حال اصول فقہ کا ہے۔ پھر ان کتب کی عبارات بہت دقیق اور انتہائی مشکل ہیں جن کی وضاحت کے لئے شروع در شروع لکھی گئیں۔ انہیں تو آسان باور کرایا گیا مگر حدیث رسول کو مشکل کہہ کر عوام کو اصل سرچشمہ سے محروم کر دیا گیا۔ مزید براں اپنے اس مسلک و منہج کو بھی جو اپنی کتب اور امام محترم کے نظریے

کی روشنی میں موجود ہے اپنے ہی لوگوں سے اسے چھپایا گیا۔ جس کی حقیقت یہ ہے کہ اعتقادی طور پر ہم اپنے امام محترم کے عقیدے کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ امام ماتریدیؒ کا عقیدہ ہی زیادہ درست ہے مگر فقہی اعتبار سے ہم اپنے امام محترم کے مقلد ہیں۔

جس طرح نیک نیتی سے اس اختلاف کو دبانے یا چھپانے کے راستے تلاش کئے گئے اور اصول و قاعدے بنائے گئے اور مفتی بھا کی اصطلاح ایجاد کر کے ان ائمہ کرام کے اختلاف کو اچھا رنگ دیا گیا کاش یہی کام حدیث رسول کے بارے میں بھی کیا جاتا مگر افسوس ایسی مثبت رائے یا سوچ سامنے آنے کی بجائے منفی کام زیادہ ہوا۔ جب کہ ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کی طرف منسوب وہ اقوال جو احادیث صحیحہ کے خلاف ہیں ان کی ائمہ دین کی طرف نسبت کرنا ہی ناجائز ہے۔ ایسے اقوال یا مسائل کی نسبت گویا ان پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہے وجہ صاف ظاہر ہے کہ ان ائمہ کرام کا مسلک صحیح حدیث کے بارے میں Receptive تھا۔ وہ دین کے سچے خادم تھے نہ کہ کسی مسلک کے۔

ضعیف احادیث کو فضائل اعمال میں پسند کر لیا گیا مگر جو صحیح احادیث فضائل اعمال میں تھیں ان سے صرف نظر کیا گیا یوں توازن کو بگاڑ کر بدعت و خرافات اور لادینیت کو رواج دینے کی ایک سبیل نکال دی۔ یہ ایک عام شغل تھا رہا ہے اور ہے کہ لوگوں کو فضائل پہ ابھار کر آسان راستہ دکھادیا جائے تاکہ وہ بھی خوشی سے عمل کریں اور جہاں دین اپنی ذاتی خواہش، منشا اور مرضی پر ضرب لگاتا ہے اور غلط باتوں پر صحیح حدیث و عید سناتی ہے وہاں

چپ سادھ کر اسے تبلیغی و اصلاحی مقاصد کے لئے استعمال کرنا ضروری نہ سمجھا جائے۔ غلو آمیز اور غیر مستند روایات کے ذریعے معمولی نیکی پر جنت کا پروانہ ہاتھ میں تھما دینا یہ تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حکم پر پانی پھیرنے کے مترادف ہے جس سے دین کا حلیہ ہی بگڑ جاتا ہے۔

حدیث کو ظنی علم کا نام دیا گیا اور فقہاء کرام میں اپنے امام کی بلا سند روایت سے یقین کا کام لیا گیا ان سے مسائل بھی مستنبط کئے گئے جب کہ ائمہ حدیث نے حدیث پر تنقید، تصحیح اور تضعیف کی بنیاد عام دنیا کے مقابلے میں کہیں زیادہ یقینی امور پر رکھی ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے اصطلاح کے لئے ظن کا لفظ پسند فرمایا جسے منکرین قرآن نے شک و شبہ کا معنی پہنا دیا۔ ظن دراصل یقین اور شک کی درمیانی کیفیت کا نام ہے۔ ابوالبقاء الکفوی اپنی کلیات ۳، ۴، ۷ میں لکھتے ہیں:

الظن من الأضداد، لأنه يكون يقيناً ويكون شكاً كالرجاء يكون أمناً وخوفاً یعنی ظن اضداد میں سے ہے اس لئے کہ وہ یقین بھی ہوتا ہے اور شک بھی جیسے رجاء، امن میں بھی ہوتی ہے اور خوف میں بھی۔ مطلب یہ ہے کہ کسی ظنی معاملہ کے ذرائع کمزور ہوں تو ظن، شک کی جگہ لے لے گا اور اگر اس ظنی معاملہ کے ذرائع یقینی ہوں تو ظن یقین کی جگہ لے لے گا۔

ایک ہی مضمون کی دو احادیث کے مابین کہیں اختلاف نظر آیا تو اسے خوب نمایاں کیا گیا مگر کسی کتاب فقہ میں امام محترم اور ان کے شاگردوں کے درمیان فقہی و اصولی

واضح اختلاف نظر آیا تو اس کے حل کے لئے بڑی نیک نیتی سے کئی سبیلیں نکالی گئیں تاکہ احترام فقہ و فقہاء رہے۔ مگر کیا حدیث رسول کے ساتھ یہ سلوک اپنوں نے کیا؟ یا یہ صرف اختلافات کا گڑھ بنا کر پیش کی گئی کہ علماء تو کیا عوام کو بھی یہ باور کرایا گیا کہ حدیث میں تو اختلاف ہے بلکہ اختلاف کا سبب ہے اور یوں احترام حدیث رہا نہ احترام محدثین۔ مزید یہ کہ یہ اختلاف کبھی صحیح اور ضعیف حدیث کے مابین ظاہر کیا گیا یا کبھی صحیح و موضوع کے مابین یا کبھی صحیح مسند مرفوع اور موقوف و مرسل کے مابین۔ جب کہ متفقہ اصول ہے کہ صحیح حدیث کے مقابلہ میں کسی حدیث کی کوئی حیثیت ہی نہیں تو پھر اختلاف کیسا؟ اور یوں بہت آسانی سے حدیث کو یا تو منسوخ کہہ دیا گیا یا اپنے بدلتے فقہی اصول نظر آئے تو بھی اسے منسوخ مشہور کیا گیا۔ اس اختلاف کو کتب میں ایسا نمایاں کیا گیا کہ جسے پڑھ کر فی الواقع حدیث اور محدثین سے نفرت ہو یا اسے ناقابل اعتناء سمجھا جائے۔

سیرت نبوی کے باب میں موضوع و منکر روایات کا بڑا انبار ہے اور حقیقت یہ کہ رسول اکرم ﷺ کے سلسلہ میں غیر صحیح روایات کی اشاعت کا مسلمان معاشرے پر بہت برا اثر پڑا ہے۔ ایک ایسا طبقہ وجود میں آچکا ہے جس نے امت کو خرافات کی دلدل میں ڈال دیا۔ پیشہ ور واعظین اور مبلغین نے ہر موضوع و منکر روایت کو جناب رسالت مآب ﷺ سے جڑ دیا اور دین نبی کو غیروں کی نظروں میں مذاق بنا دیا۔ نیز بزرگوں اور شخصیات کے افکار اور کردار کو اتنا بڑا بنا کے پیش کر دیا گیا ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ کی سیرت

واخلاق اور تاثیر کی جو اتباعی قوت تھی وہ سب دھندلا سی گئی ہے۔

تحسین حدیث کی بھی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے فقہی مقام کے باوصف ان کی طرف ہر وہ علم منسوب کر دیا گیا جس پر انہوں نے کبھی کچھ نہیں کہا۔ ایسا نہ کرنا ان کے حق میں بزع خود بہت معیوب سمجھا گیا جب کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان کو مقام دینا تھا دے دیا۔ ہمارے اس غلو سے نہ تو ان کے عظیم الشان مرتبے میں زیادتی ہو سکتی ہے اور نہ ہی کوئی کمی۔ ابوالموید الخوارزمیؒ کی مسانید کا مقدمہ مولف مرحوم کے غلو اور بے چینی کا منہ بولتا ثبوت ہے جو انہوں نے یہ کہتے ہوئے لکھا کہ لوگ کہتے ہیں امام مرحوم نے کوئی مسند نہیں لکھی فلحققتنی حمیة دینیة ربانیة و عصبیة حنفیة نعمانیة تو مجھے میری دینی ربانی غیرت نے لاکار اور حنفی نعمانی عصبیت نے ابھارا کہ میں یہ مسانید جمع کروں۔ یہ الگ تحقیق طلب بات ہے کہ ان مسانید کا مقام و مرتبہ علماء و محدثین کے نزدیک کیا ہے۔ حجتہ اللہ البالغہ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے اس کتاب کے بارے میں ریمارکس ہی کافی ہیں۔ اسی طرح شروحات حدیث مسلکی نمائندگی کیلئے لکھی گئیں جو فقہ اہل الرائے کی نمائندہ کتب ہیں۔ جن میں زیادہ تر مسلکی ترجیح و تائید کا کام لیا گیا ہے۔ اپنے مسلک کی تائید کے لئے کسی حدیث کو یا مصنف مرحوم کے ریمارکس کو اصل کتاب سے حذف بھی کرنا پڑا تو ایسی تحریف کی جرات بھی کر لی گئی۔ مولانا ابوالحسن ندویؒ کی یہ تحریر بڑی دلچسپ ہے:

کتب حدیث کی شرحیں عام طور پر پہلے غیر حنفی علماء نے لکھیں جن کی وجہ سے حنفی مذہب کی بڑی کمزوریاں سامنے آئیں اس پس منظر میں بیشتر کتب حدیث کی شرحیں حنفی علماء نے بھی لکھیں تاکہ حنفی مذہب کا دفاع کیا جاسکے۔ (مقدمہ بذل الجہود)

سند حدیث میں محض صحابی رسول کا واسطہ نہ ہونے پر جمہور محدثین نے ایسی حدیث کو مرسل کا نام دیا اور ضعیف قرار دیا۔ مگر اپنے مسلک کے حق میں کوئی بات خواہ وہ وفات نبوی کے تین سو سال بعد بھی کہنے والا کہہ دے اور کہنے والے اور جناب رسالت مآب ﷺ کے درمیان کوئی اور واسطہ بھی نہ ہو اسے بھی مرسل حدیث کا درجہ دے دیا گیا بلکہ بعض اوقات ایسی مرسل روایت صحیح مسند روایت سے بھی اعلیٰ مقام حاصل کر گئی اور قابل اجتہاد و استنباط ٹھہری۔

بعض مخصوص آیات و احادیث کو اپنے ذاتی ذوق کے مطابق منتخب کر کے تفرقہ بازی کا آغاز کر دیا گیا۔ کسی نے فضائل کی احادیث لے لیں تو کسی نے زہد و سیاست کی۔ کسی نے خاص پہلو پر عمل کو ہی دین کامل سمجھ لیا اور باقی دین جس میں فرائض بھی ہیں سنن بھی، حلال بھی ہے اور حرام بھی، جائز بھی ہے اور ناجائز بھی اسے نظر انداز کر دیا۔ کسی نے حدیث کی اصطلاحات کے مقابلے میں غیر دینی بلکہ مذہبی اصطلاحات کو رواج دیا مگر دین کی عطا کردہ اصطلاحات اجنبی بنادی گئیں۔ اور یوں مذہبی رجحانات خوب رواج دیے گئے۔ تعصب کو سینوں میں اتار دیا گیا۔ اپنے پسندیدہ علماء و فقہاء کے بارے میں غلو کرتے ہوئے

احادیث گھڑی گئیں اور غیر علماء و فقہاء کی مذمت اور تنقیص میں نفرت آمیز احادیث گھڑ کر کتب میں لکھ کر پھیلا دی گئیں۔ اپنے مذہب کی مخالفت میں اگر کسی نے قول امام کو چھوڑ کر کوئی حدیثی مسئلہ بتا دیا تو اسے اعداد رمل ریت کے ذروں کے برابر لعنتیں دی گئیں۔ یا مخالفت میں کوئی حدیث مل گئی تو تاویلات کا سہارا لیا گیا تاکہ حدیث پر عمل سے جان چھوٹ جائے اور اپنوں کا فرمایا ہوا غلط بھی ثابت نہ ہو۔ یا صحیح حدیث کو معمولی بات سمجھ کر ضعیف قرار دیا گیا۔ یا تفقہ، فقہ راوی، استحسان و استحباب وغیرہ کی اصطلاحات ایجاد کی گئیں جو اہل سنت کے ذخائر پر بے اعتمادی کی مختلف تعبیرات ہیں۔ محدثین کرام کا یہی جرم ہے کہ انہوں نے صرف صحیح حدیث کو ہی اختیار کیا اور اسی پر عمل کی دعوت دی تاکہ دین کامل باقی رہے، محفوظ رہے اور خواہشات نفس کی بھینٹ نہ چڑھ سکے۔

پھر ان شخصیات کے علم و فضل کو باقی علماء کے علم و فضل پر یہ کہہ کر ترجیح دے دی گئی کہ ان کا علم کلی ہے اور باقی کا معمولی۔ جب کہ ارشاد الہی و فوق کل ذی علم علیم ہر عالم سے بڑا ایک عالم ہوتا ہے میں علم کی محدودیت کا اور فاسئلوا اہل الذکر اہل ذکر یعنی اہل علم سے مسئلہ دریافت کر لیا کرو اگر تمہیں علم نہ ہو تو۔ میں جماعت اہل علم کا مفہوم ملتا ہے۔ کسی ایک عالم کو اس میں مقید نہیں کیا گیا۔ اس طرح ہر کوئی اپنی اپنی شخصیت کے علم کلی کا قائل تو ہوا مگر آپس میں یہ طے نہ کیا جاسکا کہ ان میں اب کون علم کلی کا حق دار ہے اور کون نہیں؟

اس لئے محدثین کرام نے وہ اصول جن سے صحیح حدیث پر عمل نہ ہو سکے پسند نہیں

کئے۔ بلکہ حدیث کی حفاظت کے لئے ایسے خود ساختہ اصولوں کو رد کر دیا۔

جرح و تعدیل کے قواعد، نقد متن اور نقد روایت کے وہ اصول ہیں جن میں یہ بات بطور خاص ملحوظ رکھی گئی کہ جو شخص، شریعت سے کسی بھی طور وابستہ ہو اس کی ہر شرعی بات کو ان قواعد کی روشنی میں جانچا جائے۔ اگر اس کی علمی، عملی، فقہی، اجتہادی اور استدلالی کمزوری واضح ہو تو ایسے فرد کی بات پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا خواہ اس کا تعلق محدثین سے ہو، مفسرین سے ہو یا فقہاء سے۔ صرف صحابہ رسول ﷺ ہی الصحابة کلہم عدول سب صحابہ عادل ہیں۔ کے قاعدے کے تحت مستثنیٰ ہیں۔

حدیث سنتے وقت جو کیفیت و ماحول تھا اس کی مناسبت سے مخصوص الفاظ کا انتخاب بھی ادائیگی حدیث کے لئے ضروری قرار دیا گیا۔ جس طرح امام مسلمؒ حدثنا اور أخبرنا میں فرق ذکر کرتے ہیں۔ تحمل حدیث کے طرق کو محدثین نے اس لئے متعارف کروایا کہ حدیث رسول کو تسلیق **Acquire** کرنے کی ہر ممکنہ کیفیت کو واضح کر دیا جائے۔ اور سمعت، قرأت، أجازنی، حدثنی وغیرہ کے الفاظ طالب حدیث کو بآسانی سمجھا دیں کہ حدیث رسول کو روایت کرنے سے قبل ہم نے اپنے شیخ محترم سے کس کیفیت و حالت میں یہ حدیث اخذ کی۔ امام بخاریؒ نے تو اپنی صحیح میں قال فلان ویذکر عن فلان کے الفاظ تک ذکر کر دئے ہیں کہ تحمل حدیث کے آٹھ طرق کے علاوہ کوئی اور بھی ممکنہ طریقہ ہو سکتا ہے۔ محتاج محدثین نے ان طرق میں صحیح علم کے حصول کے لئے جس طریقہ کو

ترجیح دی ہے وہ شیخ سے براہ راست سماع کا ہے۔ یعنی طالب علم براہ راست اپنے شیخ سے خود حدیث سنے اور پھر روایت کرتے وقت وہ جب یہ کہے کہ سمعت میں نے سنا تو اس سے بڑھ کر تسلی کی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ اس لئے امام شعبہؒ فرمایا کرتے تھے: کل حدیث لیس فیہ سمعت، فہو خل و بقل۔ جس حدیث میں یہ نہیں کہ: میں نے سنا، تو وہ جھاڑ پھونک ہے۔

یہ قواعد محدثین کرام کا وہ اہم کارنامہ اور اثاثہ ہیں کہ امت ان پر جتنا فخر کرے وہ کم ہے۔ انہوں نے صرف راویوں کو پرکھنے کے لئے یہ قاعدے نہیں بنائے تھے بلکہ روایت، استدلال، فقہ و اجتہاد کی شرعی حیثیت کو جاننے کے لئے بھی بنائے تھے تاکہ شریعت کی ہر بات کذب و افتراء اور کمزور استدلال و اجتہاد اور شخصی تاویلات سے محفوظ ہو جائے۔

اسی طرح إِنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ میں تبیین کا قاعدہ عموم کا ہے مراد یہ ہے کہ کسی کی کوئی بات، عمل، استنباط، اجتہاد و تاویل یا درایت و روایت کی تبیین ہوگی اور بغیر اس کے اس بات کا قبول کرنا، اس کی تاویلات کرنا اور اس پر عمل کرنا باعث ندامت و عار ہوگا۔

فقہاء کرام بھی انسان تھے اس لئے محدثین کرام نے جرح و تعدیل کے جو اصول، تابعین، تبع تابعین اور بعد کے علماء محدثین، مفسرین، متکلمین وغیرہ کے بارے میں بنائے وہاں وقتاً فوقتاً ان کی کثیر تعداد کی ثقاہت کو انہوں نے چھانٹا اور بے لاگ تبصرہ

ونقد کر کے ان اصولوں کو زندہ تر کیا ان کے بارے میں اپنی عالمانہ و ناقدانہ رائے دے کر حدیث نبوی کا نہ صرف دفاع کیا بلکہ دین میں جانب داری اور دراندازی کا قلع قمع کر دیا۔ چونکہ فقہاء کرام میں بھی فرق مراتب ہے اس لئے ہر فقیہ کو بھی ان اصولوں کے تحت پرکھنا ضروری ہے کہ وہ کیا علمی، عملی اور ذہنی معیار رکھتا ہے اور فقہاء کرام میں فلاں فقیہ کس درجہ کا فقیہ ہے؟ فقہی ماہرین نے فقہاء کرام کی جو درجہ بندی کی ہے یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ جرح و تعدیل سے مبرا کوئی نہیں۔ حاشا وکلا ایسی بات سے فقہاء کرام کی ناقدری یا اختصار مقصود نہیں۔ بلکہ ایک اصولی بات ہے۔

فقیہ کی ثقاہت اور عدالت کے ساتھ ساتھ، اس کے عقلی و نقلی دلائل، اس کے اجتہادات، اس کا شد و ذغیرہ بھی ناقد علماء حدیث نے پرکھے ہیں تاکہ فقہی مسائل کی چھانٹی ہو سکے اور صحیح مسائل مستنبط کرنے والے فقیہ یا فقہاء کو ترجیح دی جاسکے۔ یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ نقد و جرح کا پیمانہ ایک خاص گروہ کے لئے تو ہو مگر دوسرے کے لئے نہ ہو۔ کیونکہ سوائے ذات رسول کے کوئی معصوم نہیں۔ اس لئے وہ فقہاء جو ثقاہت کے مقام کو چھوتے ہیں ان کے فرمودہ فقہی مسائل میں ثقاہت کا ہونا ضرور ہوگا۔ ان کے اجتہادات کے دلائل بھی نصوص کے ساتھ پختہ ہوں گے۔ ان کی ہر بات ایک قوی دلیل سے مبرہن ہوگی۔ اور جو غیر ثقہ ہیں ان کی ثقاہت مشکوک ہوگی اور فقہی ادلہ بھی کمزور و واہی۔ اس لئے فقہی مسائل میں بقول ائمہ کرام کے، کوئی مسئلہ یا اجتہاد قبول نہیں کیا جائے گا جب تک اس کی قوی دلیل

فراہم نہ کردی جائے۔ محض یہ کہہ دینا کافی نہیں ہوگا کہ فقہ میں ہے یا فلاں فقہ کی فلاں کتاب میں ہے یا فلاں فقہ نے فرمایا ہے۔

امام سفیان بن عیینہؒ کے پاس ایک اعرابی آیا۔ اس نے سوال کیا کہ آپ اس حاجہ خاتون کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو طواف بیت اللہ سے قبل ہی حائضہ ہوگئی؟ امام محترم نے اسے جواب میں فرمایا: کہ وہ سب مناسک ادا کرے گی جیسا کہ حجاج کیا کرتے ہیں بس طواف بیت اللہ نہ کرے۔ اعرابی نے عرض کی: کیا کوئی اس مسئلے میں آپ کے پاس کوئی قدودہ ہے یعنی اسلاف کی کوئی مثال آپ دے سکتے ہیں کہ ان میں سے کسی نے ایسا کیا ہو اور کہا ہو؟ امام نے فرمایا جی ہاں۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بیت اللہ کے طواف سے قبل ہی حیض آ گیا تھا تو جناب رسالت مآب ﷺ نے انہیں فرمایا تھا کہ آپ تمام مناسک حاجیوں کی طرح ادا کریں سوائے طواف بیت اللہ کے۔ اعرابی نے یہ بات سن کر عرض کی کہ کیا رسول اللہ ﷺ کی اس بات کا کوئی ذریعہ بھی ہے آپ کے پاس۔ سفیان نے فرمایا ہاں ہاں کیوں نہیں۔ مجھے یہ حدیث عبدالرحمن بن القاسم نے اپنے والد سے انہوں نے ام المومنین سے اسی طرح روایت کی ہے۔ اعرابی نے یہ سند سنی تو کہا: لقد استسمت القدوة، وأحسنت البلاغ واللہ لک بالرشاد۔ آپ نے بلاشبہ مثال کو مضبوط بنا کر پیش کیا ہے، ذریعہ (سند) بھی خوب تلاش کیا ہے اللہ تعالیٰ ہی آپ کا راہنما ہو۔

یہ وہ دینی بیداری تھی جو عام عربوں میں تھی وہ بلا کسی جھجک کے علماء و مشائخ سے مسائل اور ان کے دلائل دریافت کیا کرتے تھے۔ مگر حدیث کے معاملے میں ان کا اطمینان سند حدیث سے ہوا کرتا تھا۔

جس طرح کوئی حدیث بغیر سند اور اس کے راویوں کی ثقاہت کے قبول نہیں کی جاتی بلکہ اسے تنقیدی اعتبار سے بھی پرکھا جاتا ہے، بعینہ فقہاء کے ان اجتہادات و مسائل کی بھی دلائل کے ساتھ روایت ہوئی ہے۔ ان کو بھی بغیر کسی دلیل و روایت کے قبول نہیں کیا جاسکتا۔ ہمیں ضرور دیکھنا ہوگا کہ مسئلہ کیا ہے؟ اس کی دلیل کیا ہے؟ اور کون اس کا راوی ہے؟ درایتی اعتبار سے وہ کیسی ہے تاکہ آپ ﷺ کے ارشاد کی صحیح تعبیر مخاطب تک پہنچ سکے۔ کیا قرآن یا صحیح احادیث کے معیار پر اس کا جواب پورا اترتا ہے یا محض تاویلات ہیں؟ اور قیاسی و بے دلیل مسائل ہیں؟ اس لئے کہ بغیر دلیل کے کسی کے نام سے مسائل کو بیان کرنا اور اس کی طرف منسوب کرنا ناجائز ہے۔ بعض فقہی کتب میں ایسے بے شمار مسائل ذکر کر دیے گئے ہیں جنہیں عام لوگ یہ سوچ کر درست سمجھتے ہیں کہ آخر لکھنے والے بھی تو علماء تھے کوئی نہ کوئی دلیل ان کے پاس ہوگی ورنہ وہ شریعت کے خلاف کیسے لکھ سکتے ہیں؟ ان کتب کا انتخاب بھی سوچ سمجھ کر کرنا ہوگا تاکہ حق اپنی قوی دلیل سے جھوٹ کو نکھار دے۔ بہر حال یہ اور ان جیسے بہت سے غیر فقیہانہ مسائل، ائمہ حضرات کی طرف منسوب اقوال و اجتہادات تو ہونگے مگر ان کی حیثیت ایک ضعیف یا موضوع حدیث سے کم نہ ہوگی۔ مثلاً:

ہمارا احساس ہے کہ اسلام کے احیاء کیلئے مستقبل میں جب مہدی موعود کا ظہور ہوگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بھی، تو اس وقت یہ تمام مذاہب و مسالک ختم ہو کر ایک ہی دین کے پیروکار بن جائیں گے۔ کیونکہ یہ دونوں کتاب رب اور سنت نبویہ کے مطابق مسائل بیان کریں گے اور حکومت بھی کریں گے۔ مگر یہاں بھی لوگوں نے غلو سے کام لیتے ہوئے وہ وہ داستانیں مرتب کیں کہ دین بھی شرما جائے۔ مثلاً:

☆ یہ کہ حضرت خضرؑ نے پانچ سال تک حضرت امام ابوحنیفہؒ کے در اقدس پہ روزانہ صبح حاضری دے کر علم حاصل کیا۔

☆ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی وفات پر حضرت خضرؑ نے نہایت تضرع و زاری سے بارگاہ خداوندی میں مزید علم کے حصول کی درخواست کی۔ صرف اتنی اجازت ملی کہ ان کی قبر پہ جا کر سیکھ آیا کرو۔ چنانچہ پچیس سال تک قبر مبارک پر حاضر ہو کر علم حاصل کرتے رہے۔

☆ حضرت خضر علیہ السلام نے جو علم شریعت امام عالی مقام سے حاصل کیا تھا۔ وہ انہوں نے حضرت امام قشیری کو سکھا دیا۔ امام قشیری نے اسے لکھ کر ایک صندوق میں بند کر کے دریائے جیون میں ڈال دیا۔ تاکہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نزول فرمائیں تو انہی کتب کو نکال کر اس پر عمل درآمد فرمائیں۔

ظاہر ہے یہ سب خود ساختہ، (Fabricated) واقعات ہیں۔ جنہیں علمائے احناف نے بھی قطعاً پسند نہیں فرمایا۔ مگر قصہ گوئی کیلئے مبالغہ آرائی و اتحسین بھی پاتی ہے اور مقام رفیع بھی۔

یہ ایک واقعہ ہے کہ روایت حدیث میں اس قسم کا کوئی مبالغہ نہیں اور نہ ہی راوی حدیث سے خواہ وہ شیخ محترم ہی کیوں نہ ہوں کوئی اندھی عقیدت۔

امام حازمیؒ نے اپنی کتاب الاعتبار اور امام العراقیؒ نے التقييد والإيضاح میں حدیث کی حفاظت اور طالبان حدیث کو جو اصولی و منہجی ذخیرہ فراہم کیا ہے وہ اس قابل ہے کہ اس کے ذریعے سے مذہبی فقہ اور مذہبی رجحانات کی اصلاح ہو۔ اور جسے طلبہ کو پڑھانے اور عام کرنے کی آج اشد ضرورت ہے۔ محدثین کرام نے شرعی روایت کے اصول، شریعت یعنی قرآن و حدیث سے بنائے، انہیں مدون کیا، انہیں رواج دیا اور استدلالی مناجیع یعنی اصول و روایت بھی اپنی فقہ و اجتہاد اور استنباطات سے مقرر فرمادیے جو بقول کسے فقہ البخاری فی تراجمہ میں تفقہ امام بخاری کی مثالیں ابواب صحیح بخاری میں دیکھی جاسکتی ہیں اس کے علاوہ سنن اربعہ کے مؤلفین کے نام مسنن میں نیز ان کی کتب میں وارد تراجم الأبواب میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ یوں نہ صرف حدیث رسول کی حفاظت فقہی، منہجی اعتبار سے کی بلکہ دوسرے علوم کے کارپردازان کو بھی صاف و شفاف آئینہ دیکھنے اور دکھانے کی بلا واسطہ تاکید فرمادی۔

ریسرچ سکالرز کے لئے بحث و تحقیق کے اصول و قواعد اگر آج کے ترقی یافتہ دور میں محدثین کے ان اصولوں کے خوشہ چیں ہو سکتے ہیں۔ ماضی میں تاریخ، تفسیر اور کسی وقیع کتاب کے مولف تک روایت یا نسبت ایک قابل تحسین چیز قرار پا سکتی ہے۔ دینی مدارس کی شہادہ عالیہ یعنی اسناد میں محدثین کے طرز اسناد کو دوام دیا جاسکتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ محدثین کی روایات، ان کی کتب کو انہی کے بتائے ہوئے میزان میں رکھ کر ہم پر کھ نہ سکیں۔ اور سچ و جھوٹ کا امتیاز نہ کر سکیں۔

صحابہ کرام نے اس طرز عمل کو سخت ناپسند کیا کہ لو کانیات اور مفروضات پر فتوے دیے جائیں۔ یہ سوال بر محل ہے کہ کیا مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے مسائل کا ابھی سے ادراک کر کے، ان کا فقہی حل تلاش کر لیا جائے۔ کیا ایسا کرنا صحیح ہوگا؟ اس بارے میں عموماً دو آراء سامنے آتی ہیں:

۱۔ ان مسائل کا ادراک اگر فقہاء و علماء کر لیں تو انہیں زیر بحث لانے، ان کا حل پیش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ علم روز بروز زوال پذیر ہے علماء و فقہاء رخصت ہو رہے ہیں ہو سکتا ہے کہ مستقبل میں ایسے علماء پیدا نہ ہوں جو اس قابل ہوں کہ فقہی استنباط کر سکیں اس لئے موجود فقہاء اگر لوکان کی بنیاد پر مفروضہ مسائل کا حل پیش کر دیں تو یہ امت پر بڑا احسان ہوگا اور ان کے آسمان علم سے دنیا مستفید ہوگی۔

۲۔ دوسری رائے یہ ہے کہ جب تک انسانوں میں وہ مسئلہ پیدا نہ ہو اس وقت

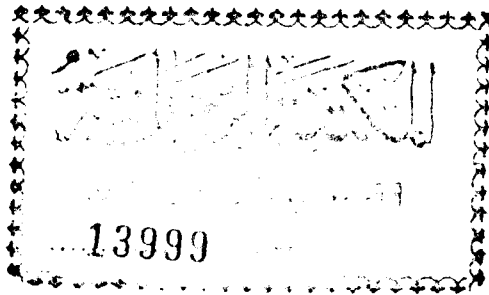
تک اس تکلف کی ضرورت ہی نہیں کہ کوئی رائے دی جائے اور فرضی مسائل بنائے جائیں۔ وہ یہ کہتے ہیں: کہ علم ما لم يقع والجهل عما وقع جو واقع نہیں ہوا اس کا علم رکھنا اور جو واقع ہو چکا اس سے ناواقف رہنا، فقہ نہیں۔ ہاں جب وقوع پذیر ہوں گے تو ان شاء اللہ امت ان علماء و فقہاء سے بانجھ نہیں ہوگی جو اپنے علم کی حد تک ان کا اسلامی حل پیش نہ کر سکیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دین کو باقی رکھنا ہے اور اس کے خادین کو بھی۔ کتنے مفروضہ مسائل ہیں جو کتب فقہ کی ضخامت تو بڑھا گئے مگر نہ وہ پیدا ہوئے اور نہ ہی امت کو ان کی ضرورت پیش آئی۔ اس لئے بیشتر علماء و فقہاء کے نزدیک محض عقلی اور مفروضہ مسائل کا بیان کرنا صحابہ کرام کے نزدیک بھی فقہی حدود سے تجاوز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام نے روایت حدیث میں اور اس کی تفہیم و تفسیق میں مختصر مگر جامع انداز اپنایا۔ اپنے دور کے قائم مسائل کا شافی جواب انہوں نے بغیر کسی حاشیہ آرائی کے صرف حدیث دانی سے دیا اور استنباط مسائل کے ذریعے غیر فرقہ وارانہ مناجیح کو بھی استوار کیا۔

یاد رکھئے! فن حدیث ایک زندہ اور مکمل فن ہے۔ اس کی تمام شاخوں کو کئی نسلوں نے سیراب کیا ہے۔ کسی حدیث کی استنادی حیثیت کو متعین کرنے اور اس کے اشتباہ کو دور کرنے کے لئے اس دنیا میں جتنے وسائل ممکن تھے سب استعمال کئے گئے ہیں۔ بھلا آخر کون سے معیارات باقی ہو سکتے ہیں جن کی رو سے ہر روایت پر بے لاگ تبصرہ کیا جائے؟ کیا محدثین نے کوئی کمی چھوڑی ہے۔ کیا کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم خود ہی ان کے قائم کردہ معیارات کی زد میں آ رہے ہوں اور ہماری بات بے وقعت ثابت ہو جائے؟ یہ کہہ دینا تو

آسان ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ کے حوالے سے کسی مشتبہ بات کی روایت چونکہ دنیا و آخرت دونوں میں بڑے سنگین نتائج کا باعث بن سکتی ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس معیار کا اطلاق آپ سے متعلق ہر روایت پر بغیر کسی رورعایت کے اور نہایت بے لاگ طریقے پر کیا جائے۔۔۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے محدثین کے اصول نقد کو جانا۔ انہیں پرکھا۔ کہاں انہوں نے کمی دکھائی؟ کون سا ایسا اشتباہ باقی رہا جو انہوں نے آپ کے لئے چھوڑ دیا؟ حدیث من کذب علی متعمداً۔۔۔ جس طرح انہیں لرزادیتی ہمارا تو حال اس کے برعکس ہے کہ ہم بجائے لرزنے کے حدیث رسول کو نہیں بلکہ جناب رسالت مآب ﷺ کے مقام و مرتبے کو دنیا کے سامنے گھٹا کر کھلی چھٹی دینا چاہ رہے ہیں۔ چند بوسیدہ ہڈیوں اور ٹوٹے پھوٹے برتنوں کے سہارے یا محض ایک عقلی بات کے سہارے اپنی تاریخ کا تاج محل کھڑا کرنے والوں سے یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ ایک زندہ حقیقت کو اس طرح بھی جھٹلا سکتے ہیں۔ محدثین نے اس کی حفاظت علمی و فنی شکل میں بھی کی اور حفظ و تحریر کے علاوہ عملاً اور عقیدۂ بھی کی ہے۔ آخر یہ معمولی اور غیر حقیقی کوشش نہ تھی کہ ابن الملقن جیسا محقق علوم الحدیث کی دو سو پچاس انواع گنوا دے۔

وما علینا إلا البلاغ

نوٹ: یہ مقالہ کراچی کی ایک علمی مجلس میں مئی ۲۰۰۳ء میں پڑھا گیا۔ جس کی تیاری میں
درج ذیل کتب سے مدد لی گئی:
امام خطیب بغدادی کی کتب:
الجامع لأخلاق الراوی و آداب السامع
الكفاية فی علم الرواية
كتاب الفقيه والمتفقه
أعلام الموقعین از امام ابن القیمؒ
حسن البیان از: مولانا محمد عبدالعزیز رحیم آبادی



www.KitaboSunnat.com

مصنف کا تعارف

جامعہ رحمانیہ ملتان سے ۱۳۹۷ھ میں درس نظامی مکمل کیا۔
پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ۱۹۸۰ میں ایم اے عربی کیا۔ ۱۹۸۳
میں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں کلیہ اصول الدین
میں تدریس حدیث و علوم حدیث سے منسلک ہو گئے۔ ۱۹۸۹ء
میں گلاسگو یونیورسٹی اسکاٹ لینڈ سے علوم حدیث میں پی ایچ ڈی
کی۔ ۱۹۹۸ء میں ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد میں بطور
ایسوسی ایٹ پروفیسر کے شعبہ قرآن و حدیث میں آ گئے۔ سن
۲۰۰۰ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد میں حدیث
پروفیسر اور شعبہ حدیث و سیرت کے پہلے چیئرمین مقرر ہوئے۔
بعد میں سن ۲۰۰۲ء میں ذاتی مصروفیات کی بناء پر استعفیٰ دے دیا
۔ عربی اُردو اور انگریزی زبان میں بہت سے مقالات لکھے۔ چند
کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

دعوت دین

◆ ایک اعزاز ہے اس امت کے لئے۔

◆ ایک مشن ہے جو اس اُمت کو سونپا گیا ہے۔

ماضی میں ————— اس کی ضرورت تھی۔ اسے عام کیا تو فرض کی ادائیگی ہوئی۔

یوں عزت ملی —————

رعب قائم ہوا —————

اسلام پھلا پھولا —————

حال میں ————— کیا اس کی ضرورت نہیں؟ یقیناً ہے۔ تو آئیے

◆ صرف دین کی دعوت عام کریں۔

◆ اپنی جماعت، گروہ اور مسلک کی دعوت کو چھوڑ دیں۔

کیونکہ ہمارا مشن ————— دعوت دین ہے نہ کہ گروہی عصبیت اور مسلکی دعوت۔

دعوت دین دینگے تو مشن پورا ہوگا۔ مستقبل بنے گا۔ عزت بحال ہوگی اور اگر مشن پورا

نہیں ہوتا تو اللہ کو پھر ہماری ضرورت نہیں۔ وہ اسلام کے مستقبل کے لئے کسی اور سے

یہ کام لے لے گا۔ پھر وہ ہم جیسے نہیں ہونگے۔

﴿وَإِنْ تَنَوَّلُوا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ﴾ (محمد: 38)